بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویقَوْمِ مَالِیٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ و تَدْعُوْنَنِیٓ اِلَی النَّارہ ط

(ترجمہ از توضیح القراں)

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا، اور تم مجھے آگ طرف دعوت دیتے ہو۔

ماہنامہ

راہِ نجات

بارہمولہ

مدیر

منیر احمد وانی

جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر جنوری تا اکتوبر ۲۰۲۴ء

(مؤسس و سرپرست اعلیٰ)

آسیؔ غلام نبی وانی دام فیوضہم موسس مجلس علمی جموں و کشمیر

نائب سرپرست: سالکؔ بلال

خصوصی شمارہ

آسیؔ غلام نبی قدم بہ قدم

﴿زرتعاون﴾

(فی شمارہ =/40روپے)(سالانہ =/480روپے)

﴿خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ﴾

دفتر ماہنامہ راہ نجات فتحگڈھ (نزد یک مسجد نور) بارہمولہ کشمیر

اگر اس دائرہ ⬭ میں سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے لہٰذا اپنی خریداری کو جاری رکھنے کے لئے آئندہ کا زرِتعاون ارسال فرمائیں۔

بانی وسرپرست: عاصیؔ غلام نبی وانی 9797087730

نائب سرپرست: سالکؔ بلال 8899220855

ایڈیٹر، اونر، پبلشر: منیر احمد وانی 7006483392

(نوٹ) راہِ نجات ایک خالص تحقیقی رسالہ ہے۔ مُتدَیّن اہل علم وقلم حضرات کے تحقیقی مقالوں اور رشحاتِ قلم کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنا ہمارا بنیادی مقصد ہے۔ قدیم اور جدید کے صالح امتزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے امت مسلمہ کو اس پر آشوب دور میں صحیح حقائق سے باخبر رکھنا ہم وقت کی اہم اور اشد ضرورت سمجھتے ہیں۔

لیکن!

اس کے لئے جدید متدین دانشور طبقہ اور علوم اسلامیہ کے حاملین ووارثین علوم نبوت کو شانہ بہ شانہ ہو کر کام کرنا ہوگا۔ ادارہ راہِ نجات اس کارِعظیم کے لئے ایک پلیٹ فارم کی حیثیت سے کام کرنے کا عزم لئے ہوئے صحافتی دنیا میں کود پڑا ہے۔ خدا کرے ادارہ کا یہ دیرینہ خواب پورا ہو جائے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	نام مضمون نگار	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۴
۲	آسی غلام نبی قدم بہ قدم	سالک بلال	۶
۳	''آسی فتح گڑھی'' میری نظر میں	ڈاکٹر شکیل شفائی مدظلہ العالی	۳۹
۴	منقبت صحابہؓ	آسی غلام نبی	۴۸
۵	مکتوب بنام مدیر	مولانا شوکت حسین کینگ صاحب مدظلہ العالی	۵۲

اداریہ

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ''کووڈ پنڈمک'' کے زمانے سے اب تک ماہنامہ راہ نجات کی اشاعت کسی بھی طرح ہم نے متاثر نہیں ہونے دی۔ اگر چہ ہم اس جریدے کو کتابی صورت میں شائع نہیں کر سکے کیونکہ کتابوں کی ترسیل کوڈ ۱۹ کے زمانے میں کافی مشکل ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد والد محترم (سرپرست اعلیٰ ماہنامہ راہ نجات) کی علالت کی وجہ سے بھی ہمارے لیے یہ سلسلہ جاری رکھنا کچھ مشکل ہو گیا۔ تاہم والد بزرگوار ہی کی ہدایت پر ہم نے اس کو آن لائن کر دیا جس میں ادارے نے یہ کوشش کی کہ تحریری سلسلہ کو جاری رکھا جائے۔ اب چونکہ والد بزرگوار روبہ صحت ہیں۔ اور انہوں نے حسب عادت تحریری کام کو از سر نو شروع کیا گو کہ صحت کی کمزوری کی وجہ سے دھیمی انداز میں ہی سہی اور ہمارے لیے اب الحمد للہ حالات کافی سازگار ہوئے لہٰذا ہم نے اس کتابی سلسلے کو از سر نو شروع کیا۔ چونکہ سال ۲۰۲۳ء کا شمارہ ہماری ویب سائٹ پر ''مقالات نمبر'' کے خصوصی شمارے کے عنوان کے تحت شائع ہو چکا ہے۔ اور اب سال ۲۰۲۴ء کے ان آٹھ مہینوں کو ہم تسلسل برقرار رکھنے کے لیے ''آسی غلام نبی قدم بہ قدم'' کے خصوصی عنوان کے تحت شائع کر رہے ہیں۔ اس شمارے میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ آسی صاحب کی عملی زندگی کا ایک جامع خاکہ ہمارے قارئین کے سامنے آجائے۔ کیونکہ آسی صاحب کے دعوتی عمل اور

مشاہدات سے ایک تاریخ جڑی ہوئی ہے اور بحیثیت ادارہ ہمارے لیے ضروری بنتا ہے کہ ہم ان کی حیات کے تمام لمحات کو تحریری شکل میں محفوظ کریں۔ اگر چہ ان کی حیات اور خدمات پر ہم انشاء اللہ ایک ضخیم کتاب مستقبل قریب میں شائع کر رہے ہیں جس پر ابھی کام جاری ہے تاہم یہ چھوٹا سا رسالہ ہمارے قارئین کے لیے آسی صاحب کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے کسی حد تک مفید ثابت ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین اس تحفے کو پسند فرمائیں گے۔

مدیر

آسی غلام نبی صاحب قدم بہ قدم

سالک بلال

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو مولانا ابوالحسن الندویؒ اور مولانا منظور احمد نعمانیؒ صاحب کی شکل میں ایسے دو افراد عطا کیے جنہوں نے ان کی محنت کو علمی دنیا میں متعارف کیا۔ مولانا محمد الیاسؒ بذات خود سمجھتے تھے کہ اس وقت قلم سے زیادہ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے لہٰذا انہوں نے ابتدائی ایام میں اپنے محبین کو قلم استعمال کرنے سے روکا تھا۔ اس کی چند وجوہات تھیں ایک وجہ یہ تھی کہ جب قلم سے کسی چیز کا تعارف کیا جاتا ہے تو پڑھنے والوں کے سامنے اس کا کوئی ٹھوس نقشہ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے شکوک پیدا ہوتے ہیں اور اس طرح اس چیز پر اعتراضات کا ہونا ایک فطری چیز ہے۔ دوم یہ کہ اگر قلم سے کسی چیز کو متعارف کیا جاتا ہے تو وہ بعد میں فلسفے کی شکل اختیار کرتا ہے اور اس طرح اس میں قدم کم اور قلم کی جولانیاں زیادہ دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان دو چیزوں سے بچنے کے لیے حضرت مولاناؒ نے ابتدائی ایام میں قلم سے اپنے محبین و متعلقین کو منع کیا۔ تاہم محنت کو عملی شکل دینے کے بعد جب اس کے فوائد لوگوں کے سامنے آ گئے اور اہلیان علم نے اس کے عملی نتائج کو بچشم خود مشاہدہ کیا تو تبلیغ سے مانوس علماء نے اس محنت کی سراہنا ہی نہیں کی بلکہ اس کی تائید میں اپنے قلم کو جنبش بھی دی۔ اگرچہ چند علماء نے ان ابتدائی ایام میں مولانا کو کہا تھا آپ جو یہ کر رہے ہیں ''یہ ریت پر مکان بنانے کے مترادف'' ہے۔ تاہم بعد میں

عملی نتائج نے اس اعتراض کو احسن طریقے سے رفع کر دیا۔

بہر حال علمی دنیا میں جن احباب نے ابتدائی ایام میں تبلیغ کا تعارف کیا ان میں مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ، مولانا منظور نعمانیؒ اور مولانا مودودیؒ سر فہرست ہیں۔ اول الذکر نے مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت لکھ کر اہل علم کو مولانا کے درد اور کڑھن سے آگاہ کیا اور یہ باور کرانے کی ایک کامیاب کوشش کی کہ اس قسم کی تحریک یا تو اپنے وقت میں برصغیر ہند و پاک میں مجدد الف الثانی شیخ احمد سرہندی نے اٹھائی تھی یا آج کے اس زمانے میں مولانا الیاسؒ نے اٹھائی ہے۔ ثانی الذکر نے مولاناؒ کے ملفوظات لکھ کر علمی اعتبار سے مولانا پر منکشف ہوئی منہج دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ مولاناؒ اس دعوت سے کیا چاہتے ہیں اور یہ کام کس جوش اور ولولے سے اس کے کارکنوں کو کرنا چاہیے اور اس کے داعیوں میں کس قسم کا نبوی مزاج ہونا چاہیے۔ ان ساری چیزوں کا علم ان ملفوظات کا مطالعہ کر کے ہو جاتا ہے۔ آخر الذکر نے اس محنت کا عملی نقشہ اپنے البیلے انداز میں ایک مقالے کی صورت میں اہلیان علم کے سامنے رکھا۔ ان کی تحریر کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ ان میواتیوں کو دیکھ کر صحابہؓ کا نقشہ نظروں کے سامنے آتا ہے۔ جس طرح صحابہؓ کے ہاں نہ جھنڈا ہوتا تھا نہ ڈھنڈا بلکہ ایک ہی فکر ہوتی تھی کہ جو خیر حضور ﷺ کے ذریعے سے ان تک پہنچی وہ دوسروں تک کیسے پہنچے؟۔ اسی طرح ان میواتیوں میں جذبہ ہے کہ جو خیر ان کے پاس مولانا کے ذریعے سے پہنچی وہ خیر دوسرے لوگوں تک کسی نہ کسی طرح پہنچے۔ اس قسم کا نقشہ یا خاکہ الفاظ میں قلم کا بادشاہ مولانا مودودیؒ ہی کھینچ سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ نے ان کو سلجھا ہوا قلم عطا کیا تھا۔ لہٰذا جو کچھ انہوں نے مشاہدہ کیا اس کو بغیر کسی

مبالغہ کے الفاظ کے قالب میں ڈال کر قلم وقرطاس کے حوالہ کر دیا۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد اب ہم مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت اور کشمیر کے حوالے سے بات کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ کشمیر میں چونکہ اسلام دعوت ہی کے ذریعے سے پہنچا۔ بلبل شاہ کشمیریؒ سے لیکر شاہ ہمدانؒ تک مشرق وسطیٰ کے سادات نے کشمیر کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا میدان بنایا اور انہوں نے اپنی سرپرستی میں بہت سارے کشمیریوں کو تیار کیا جنہوں نے سادات کا مشن آگے بڑھایا اور وہ بھی ٹھیک اسی منہج پر جس منہج پر سادات نے دعوت کا کام کیا تھا۔ یہ داعیان کرام جو اصل میں سادات کے تربیت وصحبت یافتہ تھے ریشیوں کے نام سے معروف ہوئے۔ ریشیان کشمیر نے علمی اور قلمی انداز میں دین کی ترجمانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ جہاں نورالدین نورانیؒ نے دعوت کا کام کیا وہیں بابا نصب الدین غازیؒ نے فارسی زبان میں ''نور نامہ'' لکھ کر اس کے مشن کو قلمی انداز میں محفوظ کیا۔ اس طرح ہمارے اسلاف کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اپنے شیوخ کے مشن کو اپنی آنے والی نسل تک منتقل کرنے کے لیے بڑے حساس تھے۔ اس کے بعد کشمیر میں بڑے بڑے علماء اٹھے جنہوں نے قدم کے ساتھ ساتھ قلم کا بھی خاطر خواہ استعمال کیا۔ اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے محترم آسیؔ غلام نبی وانی صاحب نے اپنے شباب ہی سے اپنے شیوخ کے دعوتی کارناموں کو قلمبند کرنے کی ٹھان لی۔ سب سے پہلے محترم آسیؔ کا تعلق جب داعی توحید مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کے ساتھ ہوا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ تو اپنے مرشد کے شب وروز کو قلمبند کرنے کی خواہش دل میں موجزن ہوئی لہٰذا انہوں نے ان کے ملفوظات جمع کرنا شروع کیے۔ جمع کرنے کے بعد ان کی سماعت اپنے مرشدؒ کو

کروائی اور مرشدؒ نے سماعت کے بعد ان تمام ملفوظات کو مہر بند کر دیا۔ اس طرح یہ تاریخی نسخہ وجود میں آیا۔ ان ملفوظات کو مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عبدالولی صاحبؒ نے کن حالات میں دعوت کا کام کیا۔ اور کس طرح اپنے اسلاف کے توحیدی منہج کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ مولانا کا کام ٹھیک اسی طرح کشمیر کے حوالے سے ایک تجدیدی کام تھا جس طرح شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے زمانے میں شرکیات کے خلاف ایک جاندار تحریک چلائی۔ مولانا عبدالولی شاہؒ صاحب نے ان تمام کلمات کو ختمات میں پڑھنے سے لوگوں کو منع کیا جن کے پڑھنے سے عوام کے عقیدے کو خطرہ لاحق تھا، اگر چہ اخص الخواص کے لیے بتاویل کئی علماء کے نزدیک جواز کی صورت بنتی تھی ۔ تاہم مولانا نے اس مختلف فیہ مسئلہ میں عدم جواز کے موقف کو اختیار کرنے کو ہی احوط سمجھا۔ مولانا کی ''تحریک توحید'' کے کیا خدوخال تھے اور ان کی زندگی میں ان کو اس تحریک کو پروان چڑھانے میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کا احصاء محترم آسیؔ صاحب نے ''داعی توحید'' نامی کتاب میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ''داعی توحید'' نامی کتاب آسیؔ صاحب کی لکھی ہوئی دوسری بڑی کتاب ہے جس میں انہوں اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا عبد الولی شاہ صاحب کی حیات، خدمات اور تعلیمات کی تصویر کشی کی ہے۔ مولانا عبدالولی شاہ صاحب کے جہاں بہت سارے مرید اور شاگرد تھے اور انہوں نے مولانا کے مشن کو آگے بڑھانے کی بقدر استطاعت کوشش بھی کی تاہم آسیؔ صاحب مدظلہ العالی وہ واحد شخصیت ہیں جن کو ان کا علمی جانشین کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے مشن کو علمی دنیا میں متعارف کرانے کا سہرہ انہی کو جاتا ہے۔

مولانا عبد الولی شاہ صاحبؒ ایک بے بدل داعی توحید تھے۔انہوں نے دیوبندی مکتب فکر کے علماء سے دینی علوم حاصل کیےاور مولاناؒ اسطرح یہاں دیوبندی مکتب فکر کے اولین داعی ونقیب بنے۔

مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ چونکہ ایک موحد داعی تھےاورتوحیدی مزاج کو پسند کرتے تھے،لہٰذا جب جماعت اسلامی نے یہاں اپنے پر جماناشروع کیےتو مولانا نے نہ صرف ان کی تائید کی بلکہ اپنے شاگردوں کواس کا تعاون کرنے کی تلقین کی۔اسی تلقین کا نتیجہ تھا کہ آسیؔ صاحب جماعت سے منسلک ہوئے اور ایک مخلص کارکن کی طرح اس جماعت کے نصاب کےتحت مقامی دعوتی کام میں مصروف ہوئے۔اسی زمانے میں آسیؔ صاحب نے نوجوانوں میں دعوت کا کام کرنے کے لیے''اسلامک یوتھ فیڈریشن''نامی ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی تھی جو بعد میں کئی خاص وجوہات کی بنیاد پر زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔اسی زمانے میں انہوں نے اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ''انوارالعلوم''کے نام سے بنایاجوتاحال قائم ہے۔اس مدرسے کا انتساب حضرت مولانا انورشاہ کشمیریؒ کے نام کے ساتھ کیا گیا،جس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ حضرت آسیؔ صاحب علامہ انورشاہ صاحبؒ کے علوم سے بے انتہا متاثر ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بعد میں مجلس علمی جموں وکشمیر کے علمی قائدین میں ان کوسرفہرست رکھا گیا۔حضرت نے مجلس کے ارکان کے لیے یہ لازم بنایا کہ اگر کسی بھی وقت کوئی علمی مسئلہ پیش آئے تو مجلس کے علمی قائدین کے لٹریچر سے اس کا حل تلاشا جائے۔بہرحال اس مدرسے میں حضرت نے سینکڑوں مقامی طلباء کی قرآن فہمی کی اور اس طرح اس مدرسے کا مقامی سطح پر دینی علوم کی نشر و اشاعت میں ایک اچھا

خاصا کردار رہا۔

بہر حال جماعت (تحریک اسلامی کی محنت)، مدرسہ اور اپنے مرشد سے استفادہ یہ تینوں چیزیں ساتھ ساتھ چل رہیں تھیں۔لیکن موصوف چونکہ حساس طبیعت رکھتے تھے لہٰذا ہر ایک چیز کا مطالعہ بہت سنجیدگی سے کرتے تھے۔اسی سنجیدگی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے جماعت اسلامی کے بنیادی لٹریچر کا بہت گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا۔کشمیر کی جماعت اسلامی کے حوالے سے جو بھی لٹریچر شائع ہوتا تھا اس کو بہت سنجیدگی سے پڑھتے تھے۔ جب جماعت اسلامی کشمیر نے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ لیا تو موصوف نے اپنے مطالعہ کی بنیاد پر جماعت کے اس وقت کے امیر ضلع حضرت مولانا حبیب اللہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں ۱۹۶۴ء کا دستور جو کہ اس وقت کے امیر جماعت جموں وکشمیر حضرت سعد الدین صاحبؒ نے مرتب اور شائع کیا تھا پیش کیا اور کہا کہ دفعہ ''ذ'' کے تحت ہمارے لیے الیکشن میں حصہ لینے کو منع کیا گیا ہے جبکہ اب جماعت نے الیکشن میں حصہ لے کر اپنے ہی دستور کی مخالفت کی۔اور ان سے گذارش کی اگر ہو سکے تو میرے اس پیغام کو مجلس شوریٰ کے تمام ارکان تک پہنچانا۔مولانا نے جب آسیؔ صاحب کی زبان سے دستور کے حوالہ سے مذکورہ بالا جماعت کے دستور کے شق کو سنا اور پایا کہ جماعت کا فیصلہ اپنے دستور کے خلاف جا رہا ہے تو آسیؔ صاحب کو یقین دلایا کہ میں اس کا تذکرہ جماعت کی اعلیٰ قیادت تک پہنچاؤں گا۔بہر حال جماعت کے لٹریچر اور جماعت کے احباب کا اپنے لٹریچر کے خلاف فیصلہ لینے کے اس بین تضاد کو دیکھ کر موصوف کو اندازہ ہوا کہ جماعت آگے جا کر اور بھی بڑے فیصلے لے سکتی ہے جس سے جماعت کا دعوتی منہج متاثر ہو جانے کا قوی اندیشہ

ہے۔ بہر حال بعد میں یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ آسی صاحب اسی شش و پنج میں تھے کہ اب تحریکی انداز میں دعوتی کام کیسے جاری رکھا جائے کہ اسی اثنا میں میں منشی اللہ دتاؒ صاحب وارد کشمیر ہوئے اور بارہمولہ کا رخ کیا اور یہاں مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ سے ملاقات کی اور ان کو تبلیغی جماعت کا تعارف دیا اور کارگزاری بھی سنائی اس طرح آسی صاحب کے مرشد کو یقین ہوا کہ یہ محنت ہمارے اپنے اکابریں کی شروع کی ہوئی محنت ہے لہٰذا انہوں نے منشی صاحبؒ کی تائید کی۔ اپنے متعلقین کو اس محنت کے ساتھ جڑنے کی وصیت کی۔ ملفوظات میں ''تبلیغی جماعت ایک نورانی جماعت ہے'' کے عنوان کے تحت مذکورہ بالا سطروں کی تائید ہوتی ہے۔ بلکہ مولانا عبدالولی شاہ صاحب اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرماتے تھے کہ جس زمانے میں میں تھا یعنی جس زمانے میں میں جوان تھا اس زمانے میں تبلیغی جماعت یہاں نہیں تھی اور جب میں نہیں ہوں (یعنی جب میں جوان نہیں رہا) تو تبلیغی جماعت وارد کشمیر ہوئی۔

بہر حال مولانا نے آسی صاحب کو اس جماعت کے ساتھ جڑنے کی ترغیب دی۔ اس ترغیب کو آسی صاحب نے حکم سمجھ کر تبلیغی جماعت کے کام کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا دیا۔ تب سے لیکر آج تک آسی صاحب اس محنت کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

آسی صاحب کی ذات تبلیغی محنت میں بھی ایک ہمہ جہت اور فعال شخصیت رہی ہے۔ چونکہ کشمیر کی تبلیغی محنت میں آسی صاحب کی حیثیت سابقون الاولون کی رہی ہے لہٰذا ان کو اس محنت کے حوالے سے جتنا علم ہے شاید ہی چند احباب کو چھوڑ کر کسی کو ہوگا۔ ان کو ابتداء سے لیکر آج تک اس کے تمام اتار و چڑھاو کا علم ہی نہیں بلکہ معاملات کو نمٹانے میں

حضرت امیر احمد خان صاحب (امیر دعوت وتبلیغ جموں وکشمیر) ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے۔ لہٰذا یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے حوالے سے دعوت وتبلیغ پر جو پہلی تحقیقی نوعیت کی کتاب منظر عام پر آئی وہ محترم موصوف ہی کی ہے۔ بہر حال موصوف بیت المکرّم سے لیکر مسجد الرّشاد تک اور مسجد الرشاد سے لیکر بیت الکریم تک کا جو تبلیغی سفر ہے کا عینی شاھد ہے۔ موصوف جانتے تھے کہ تبلیغی کام وحدت فکر، استخلاص اور ایک ساتھ کام کو لے کر چلنے سے بارآور ہوگا۔ اسی لیے انہوں نے نظام الدین میں اختلاف رونما ہونے سے بہت پہلے دورون خانہ ایک کوشش کری تھی جس کا مدعا یہ تھا کہ کشمیر کی تبلیغی محنت جن دو بزرگوں (یعنی حضرت امیر صاحب مدظلہ العالی اور پیر شمس الدین صاحبؒ) کی سرپرستی میں ہورہی ہے کے اردگرد ایک معروف شوریٰ ہو جوان بزرگوں کا کام ہلکا کرنے کے علاوہ ان بزرگوں کے بعد کسی بھی امکانی صورتحال کے وقوع پذیر ہونے کے وقت جماعت کا نظم ونسق سنبھالنے میں اپنا پیشگی رول ادا کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے چند اور چیزوں کو نمٹانا ضروری تھا مثلاً درون خانہ دیرینہ شکر رنجی جس کے نتیجے میں بہت سارے احباب اب تبلیغی اجتماعیت کا حصہ نہیں رہے تھے وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ تبلیغ کے ساتھ دلی تعلق تھا لہٰذا کسی قسم کا درون خانہ انتشار اور ناخوشگوار صورتحال کا دیکھنا ان کو ستا رہی تھی۔ اس پر کافی سوچتے تھے کہ میں اس میں بحیثیت ایک ذمہ دار تبلیغی کارکن کے کیا رول ادا کرسکتا ہوں۔ اسی شش وپنج میں تھے کہ ایک روز انہوں نے ایک خواب دیکھا جس کا تذکرہ انہوں نے میرے سامنے کچھ اسطرح کیا کہ: ''میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں دعوت کی اسی محنت کے سلسلے میں نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں

ہوں اور نماز ادا کرنے لیے لوگ اپنی صفوں کو درست کر رہے ہیں اور حضرت جی انعام الحسنؒ صاحب امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لیے پہلی صف میں موجود ہیں کہ دفعتہً وہ پیچھے کی طرف رخ کر کے لوگوں کو ہٹا کر مجھ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں 'غلام نبی باہر نکلو !باہر آگ لگی ہوئی ہے' اور میں سمجھا کہ حضرت مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں اس آگ کو بجھا دوں۔''

موصوف فرماتے ہیں کہ یہ خواب دیکھنے کے بعد میں نے اس پر کافی تفقد کیا اور اپنی جگہ سمجھا کہ شائد اللہ مجھ سے اس درون خانہ شکر رنجی کو دور کرنے کے سلسلے میں کام لینا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد موصوف نے نظام الدین سے مراسلت بھی کی اور ان سے استدعا بھی کی کہ کشمیر میں درون خانہ شکر رنجی کو دور کرنے کے لیے فوری اقدامات اٹھائیں مبادا ایسا نہ ہو کہ مسئلہ قابو سے باہر ہو جائے اور یہ محنت متاثر ہو جائے۔ ان مراسلوں کا کوئی جواب وہاں سے موصول نہیں ہوا۔ اور موصوف نے حسن ظن سے کام لیتے ہوئے یوں قیاس کیا کہ شائد مرکز کے ذمہ داروں نے کشمیر کے ذمہ داروں سے اس پر تفقد کیا ہوگا اور اس طرح بارہمولہ کے مرکزی ذمہ دار اس صورتحال کا جائزہ لے کر اس کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ تاہم ان مراسلوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔

جب کافی وقت گذرا اور کچھ پیش رفت نہ ہوئی تو اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز کیا اور ایک دفعہ وادی کے مشورہ میں ایک دس نکاتی آراء کی ایک تحریر حضرت امیر احمد خان صاحب سے مشورے میں اجازت طلب کر کے وادی

کے تمام تبلیغی ذمہ داروں کو گوش گذار کی۔ اگر چہ ایک تبلیغی ساتھی موصوف کے کھڑا ہونے کے وقت موصوف کو یہ کہہ کر کہ ہم نے اس تحریر کو نہیں دیکھا ہے تحریر نہ پڑھنے پر مصر تھا تاہم موصوف نے یہ سمجھ کر تحریر پڑھنے کی جرأت کی کہ رائے مشورے میں ڈالی جاتی ہے اور مشورے سے پہلے انفرادی رائے پر خاص کر وہ باتیں جو القاء ہوئی ہوں پر دوسروں کے ساتھ مشورہ نہیں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جب القائی باتوں کو مشورہ سے پہلے دوسروں کے سامنے رکھا جائے تو ہوسکتا ہے کہ اس میں دوسروں کی رائے شامل ہوجائے یا دوسرے اُس رائے میں حذف واضافہ کرنے کو کہیں تو اس میں وہ روح باقی نہیں رہے گی جو اس الہامی رائے میں ہوتی ہے جو بغیر حذف واضافہ کے ہو۔

یہ دس نکاتی تحریر کیسے تحریر میں آئی، اسکا میں بہ چشم خود شاہد ہوں۔ چونکہ موصوف کے ذہن میں یہ بات ہمیشہ کھٹک رہی تھی کہ اگر ہماری اس محنت کا مقصد پوری امت کو جوڑنا ہے یعنی ''امت بنے'' کا ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن نہیں کہ ہم ان چند احباب کو مرکز واپس نہیں لاسکتے جو مرکز سے انتظامی لائین کی شکر رنجی کی وجہ سے دور ہوئے ہیں۔ یہ وہ احباب تھے جن کا تبلیغی محنت کے پھیلاو میں ایک اہم اور ناقابل فراموش کردار رہا تھا۔ اس کے علاوہ موصوف یہ چاہتے تھے کہ ہماری اس وادی میں اللہ نے ہم کو دو قابل احترام بزرگ عطا فرمائے ہیں جن کی سرپرستی میں دعوت کا یہ عظیم قافلہ کام کررہا ہے ان کی سرپرستی میں ایک ایسی شوریٰ وجود میں آنی چاہیے جو معروف ہو اور وہ احباب ان کی سرپرستی میں رہ کر بچشم خود مشاہدہ کریں کہ ہمارے اکابرین کس حکمت اور احتیاط سے کام چلا رہے ہیں اور امور طے کررہے ہیں۔ اس طرح اپنے اکابریں کا احتیاط اور حکیمانہ طرز عمل ان میں صحبتاً

منتقل ہوجائے گا۔ جو بعد میں اس کام کی حفاظت کا سبب بن سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کہ ہماری اس محنت میں زیادہ تر دنیا دار اور جدید تعلیم یافتہ احباب ہوتے ہیں لہٰذا اس شوریٰ میں چند ایسے علماء بھی شامل ہوں جو کام کے مزاج سے بھی واقف ہوں اور علوم شریعت سے بھی مالا مال ہوں تا کہ جو عوام اس محنت میں لگی ہوئی ہے کو ہر مرحلے پر شریعت کے مطابق رہبری کر سکیں۔ ان جیسے وجوہ کی بنیاد پر وہ ان چیزوں پر کافی سوچ رہے تھے کہ بالآخر ایک دن موصوف اسی سوچ و بچار میں تھے کہ کیسے ان سبھی امور کو وادی کے تمام تبلیغی احباب کی خدمت میں سوچ و بچار کے لیے رکھا جائے، کہ ایک رات تہجد کے وقت اٹھے اور ان سب آراء کو قلمبند کیا جو اللہ نے ان کے ذہن میں ڈالی۔ کل ملا کر یہ نو نکتے تھے۔ علی الصباح مجھے حکماً کہا کہ ہم دونوں حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں جائیں گے اور ان کے سامنے یہ نو نکات رکھیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آیا یہ نکات مشورے میں ڈالنے کے کے قابل ہیں کہ نہیں؟ اگر کوئی شرعی قباحت ہوگی تو مفتی صاحب ضرور اس چیز کا برملا اظہار فرما کر اس کو حذف کرنے کا مشورہ دیں گے۔ میں اور والد محترم صبح کی نماز کے فوراً بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے سامنے والد محترم نے یہ نو نکات رکھے تو انہوں اطمینان کا اظہار کیا اور کہا ان امور کو مشورے میں ڈالنے میں کوئی قباحت نہیں اور یہ اصلاحات ہونی چاہیے بلکہ ایک نکتہ میری طرف سے بھی اس میں شامل کرو۔ والد محترم نے کہا کہ میرے تو صرف نو (۹) ہیں ایک آپ کا ہے لہٰذا وہ نکتہ آپ اپنے قلم سے تحریر فرماویں۔ انہوں نے دسواں نکتہ لکھا اور فرمایا'' تلک عشرۃ کاملہ''۔ یہ کہہ کر والد محترم کو مشورے میں تفقد کے لیے رکھنے کی تائید فرمائی۔

اس کے بعد وادی کا مشورہ ہوا۔اس میں والد محترم نے یہ دس نکتے تحریراً پڑھے۔وہ دس نکتے کیا تھے ان کو میں یہاں من وعن نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

ریاستی مشورہ میں پڑھی گئی چند گذارشات

(درسال ۲۰۱۲ء برائے اصلاح)

(۱) مشورہ اللہ کا پسندیدہ عمل ہے۔حضور ﷺ کی سنت ہے صحابہ کی عادت تھی اور ہماری ضرورت ہے۔اسی ضرورت کے پیش نظر احقر غلام نبی وانی کچھ عرصہ سے شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ چند اُمور اس مجلس میں جو وادی یا ریاستی مشورہ کے نام سے منعقد ہوتی ہے پیش کروں اور یہ مجلس اس پر ازراہِ شفقت وعنایت حضرتنا امیر صاحب مدظلہ العالی کی اِمارت میں غور فرمائے۔یہ جسارت احقر ایک دینی ضرورت کے پیشِ نظر کر رہا ہے۔اور اُمید ہے کہ اس کو اسی تناظر میں دیکھا جائے گا۔

(۱) اس دعوتی محنت میں قصبۂ بارہمولہ کو ریاست کے باقی حصوں کے بالمقابل اس حیثیت سے ایک خاص مقام حاصل ہے کہ یہ قصبہ اس محنت کا ابتدائی میدان رہا اور اس کے پہلے ذمہ دار بھی اسی قصبے کے ساتھ سکونتی رشتہ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے تاحال ریاست کی دعوتی محنت کا مرکزی کردار یہاں ہی کے دو دعوتی مراکز نبھاتے رہے، ایک سابقہ مرکز اور دوسرا موجودہ مرکز۔جس میں اس وقت آپ سب حضرات تشریف رکھے ہوئے ہیں۔

(۲) چونکہ حضرتنا امیر صاحب اب عمر کے اس حصے میں داخل ہو چکے ہیں جس میں اعذار کا ہجوم اُمڈ کر آتا ہے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں اور اپنی انتہائی خواہش کے باوجود آدمی وہ سب امور انجام دینے سے قاصر رہتا ہے جس کی تمنا اپنے اندر لئے ہوئے وہ ہوتا ہے۔ایسی

حالت میں جبکہ ایک طرف سے کام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے تقاضے ابھر کر سامنے آ رہے ہیں۔ حالات و واقعات میں تنوُّع آتا چلا آ رہا ہے۔ صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ایک جاندار مجلس شوریٰ کی ضرورت ہے۔ جس میں تمام علاقہ جات کو متناسب نمائندگی ہو۔ اور وہ مجلس شوریٰ امیر صاحب کی نگرانی میں حضراتِ نظام الدین والوں کے منشاء کے مطابق کام کرے۔ مجلس شوریٰ کے احباب ہر ضلع کے اندر کام کرنے والوں کو معلوم ہوں۔ (نوٹ) ۲۰۱۲ء میں ابھی نظام الدین کا اختلاف رونما نہیں ہوا تھا۔ اور ابھی نظام الدین کے تحت ہی عالمی سطح پر کام ہو رہا تھا۔

(۳) اس مجلس شوریٰ کے حضرات اپنی پوری زندگی اس مرکز کے تقاضوں کے لیے وقف رکھیں۔ اگر کوئی معذور قسم کا ہوگا اور اس مجلس میں اس کا شریک ہونا ناگزیر ہوگا ایسے چند معدودے افراد کو چھوڑ کر بقیہ اصحاب اپنا بوریہ بستر ہ یہاں پر ڈالیں اور پھر یہاں کے مشوروں سے ہی اپنی ذاتی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کریں۔

(۴) ایسے افراد کو مرکز کے تعمیری اور انتظامی امور سے مستثنیٰ رکھا جائے اور جو اصحاب یہاں کے تعمیری اور انتظامی اُمور سے وابستہ ہیں انہیں اس دعوتی مشاورت سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

(۵) جو افراد اپنے آپ کو اس مرکز کے دعوتی تقاضوں کو نبھانے کے لیے یہاں اپنا بوریا بستر ہ ڈالیں وہ اپنا مال اپنی جان والی صحابہؓ کی سنت کے ساتھ یہاں قیام پزیر ہو جائیں۔

(۶) ایسا مجموعہ اپنی کارکردگی میں ان اصحاب کو جوڑنے کی تگ و دو کریں جو کسی وجہ سے فی الحال اس محنت سے بچھڑے ہوئے ہیں اور جو کسی زمانہ میں اس کام کی ریڈ کی ہڈی اور داعیٔ

اول رہے ہیں۔نوآموز اور پُر جوش جوانوں کو صحیح رُخ پر قائم رکھنے کے لیے پُرانے ہوش والوں کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔اُن کا جُڑنا ہماری معمولی توجہ کا طالب اور منتظر ہے۔اس کارِ خیر میں حضرتنا پیش شمس الدین صاحب مدظلہ العالی کی خدمات احقر کے نزدیک سب سے زیادہ موزون ہیں۔اُن کی بزرگی کے پیش نظر یہ کام انہیں کے لیے زیادہ شایانِ شان ہے۔ اور یقیناً سب حضرتنا امیر صاحب اور اُنکو ایک غیر متنازعہ شخصیت تسلیم کرتے ہیں۔اگر یہ مسئلہ حضرتنا امیر صاحب اور پیر صاحب کی مبارک زندگی میں حل نہیں ہو جائیگا تو یہ ایک خسارے کی بات ہوگی۔

(۷)۔جو صاحب جس مقام و مرتبے کا ہے اس کو **انزل الناس منازلھم** کے مطابق بٹھایا جائے۔

(۸) نظام الدین کے مشوروں میں شریک ہونے کے لیے ادل بدل کے افراد کا تعین کیا جائے تا کہ کام کا دائرہ وسیع ہو جائے۔اسی طرح مولانا الیاسؒ کے ملفوظ کے مطابق نازل درجہ کے لوگوں سے وہی کام لیا جائے جو ان سے لیا جا سکتا ہو۔اسی طرح مافوق لوگوں سے ان کی خداداد صلاحیتوں کے مطابق کام لیا جائے۔تا کہ کام کا رُخ اور مزاج صحیح منہج پر قائم رہے۔

(۹) مختلف مقامات پر ساتھیوں کے درمیان کچھ کشاکشی شروع ہوگئی ہے، مجلس شوریٰ کے ذریعے اس کا موقعہ پر جا کر فوری سد باب کیا جائے۔ جو تکلیف ابتداء میں ایک معمولی دوائی سے ٹھیک ہوتی ہے وہ وقت گذرنے کے بعد زوردار دوائیوں سے بھی نہیں ٹھیک ہو جاتی ہے۔

(۱۰) دعوت سے جُڑے ہوئے پُرانے و نئے احباب ذکر کے ساتھ علم کی طلب اور اسکے لیے صحابہ کے طرز پر قُربانیوں کے لیے ہمہ وقت تیار و مستعد رہا کریں تا کہ اپنے اسلاف کے صحیح عقائد، مستند علوم اور ان کے اصل مزاج و منہاج سے بصیرت کے ساتھ واقف ہو کر وہ خود بھی اسی رنگ میں ڈھل جائیں اور پھر ان کے ذریعے امت مسلمہ کو بھی صحیح علمی و روحانی غذا حاصل ہو۔ (نوٹ: یاد رہے یہ دسواں نکتہ حضرت مفتی عبدالرحیم الحسنی مدظلہ العالی کا ہے اور اس نے اپنے قلم سے اس کو قلمبند کیا تھا۔)

غلام نبی وانی فتح گڈھ

(تاریخ ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۲)

یہ خط درج کرنے کا مدعا یہ ہے کہ مختلف اوقات پر جماعت کے اصولی اور انتظامی ڈھانچے میں محسوس ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کرتے ہی آسی صاحب نے تبلیغ کے ان ذمہ داروں کو تحریری شکل میں اپنے خدشات اور تحفظات کا اظہار کیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وقت کے اصحاب امر مذکورہ امور کی حساسیت پر تفقد کر کے ان کا مستقل حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے لیکن جہاں تک مجھے علم ہے ان سارے خدشات اور تحفظات کو کچھ احباب نے منفی انداز میں لیا اور تبلیغی احباب میں آسی صاحب کے خلاف بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کی، جس کا علم بعد میں اس طرح بھی ہوا کہ وہ لوگ جو کبھی بڑے معتمد اور کام کے روح رواں تصور کیے جاتے تھے نے بعد میں اس بات کا اعتراف کیا کہ ہمیں آسی صاحب سے متعلق غلط ذہن سازی کی جارہی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ فتحگڈھ کی مسجد نور میں آسی صاحب کی زیر نگرانی چلنے والی شب گذاری کو بند کرنے کے لیے پہلے ماحول بنایا گیا

اور پھر ہم ہی سے اس کے بند کرنے سے متعلق فیصلہ دلوایا گیا۔ یاد رہے ماحول بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے علاقے کے چند نوجوان ساتھیوں کی ذہن سازی کر کے ان کو آسی صاحب کے خلاف یہ کہہ کر کھڑا کیا گیا کہ حضرت امیر احمد خان صاحب فرماتے ہیں کہ آسی صاحب مشورے کے خلاف چل رہے ہیں اور علاقائی معاملوں میں ان کو خاطر میں نہیں لا رہے ہیں۔ (اعاذنا اللہ)

شق نمبر ۴ کے تحت دس نکات کے متعلق بارہمولہ مرکز کے ایک ذمہ دار ساتھی نے مجھے ایک نجی مجلس میں کہا کہ ''ان نکات کا ریاستی مشورہ میں پڑھنا آسی صاحب کی حماقت تھی''۔ حالانکہ چند اصحاب فکر اور تفقد جن کو کبھی اس مرکز میں کھلے انداز میں دین کے وسیع تر مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بات کرنے اور رکھنے کا موقع نہیں دیا گیا نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اگر مذکورہ امور کے اوپر سنجیدگی سے سوچا گیا ہوتا، اور آسی صاحب کے اخلاص پر شک نہ کیا گیا ہوتا تو اس چیز کا قوی امکان تھا کہ کم از کم کشمیر میں تبلیغ کے دو ٹکڑے نہ ہوئے ہوتے۔

ان دس نکات سے متعلق ایک ضروری وضاحت

چونکہ چند تبلیغی احباب نہ معلوم کن وجوہات کی بنیاد پر یہ نہیں چاہتے تھے کہ آسی صاحب اس معاملے میں کوئی رول ادا کرے شاید ان کو علم تھا کہ کشمیر کے تبلیغ سے موصوف واقف ہی نہیں بلکہ وہ اپنے سلجھے ہوئے دماغ سے تمام معاملات کو بڑی حد تک قابو کر سکتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے سادہ لوح تبلیغی ساتھیوں کو موصوف سے بدگمان کرنے کی از حد کوشش کی۔ چونکہ تبلیغ میں آنکھیں بند کر کے اپنے اکابرین پر اعتماد کیا جاتا ہے اور یہ احباب

قابل اعتماد بھی تصور کیے جاتے تھے لہٰذا انہوں اس کا فائدہ اٹھا کر موصوف کے خلاف مبنی بر کذب پر پیگنڈہ شروع کیا۔اس کا علم مجھے اس وقت ہوا جب ایک تبلیغی ساتھی نے مجھے کہا کہ مرکز کے ایک خاص آدمی نے مجھے کہا کہ ''وانی صاحب کا اصلی ہدف وہ دس نکاتی رائے نامہ پڑھنے سے یہ تھا کہ امیر صاحب کو امارت سے معزول کیا جائے (**سبحانک ھٰذا بھتانٌ عظیم**) ۔مزید برآں اس ساتھی نے مجھے کہا کہ اس (مرکزی ساتھی) نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ''وانی صاحب نے ریاستی مشورے میں برسر اجلاس یہ کہا کا اب امیر صاحب کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے لہٰذا اب ضرورت اس چیز کی ہے کہ ایک مضبوط شوریٰ بنائی جائے جو کام کو سنبھالے اور امیر صاحب کو آرام کا موقع دیا جائے''۔یہ شق نمبر۲ کو توڑ مروڑ کر بیان کرنے کی بدگمانی پر مبنی سوچ کا ایک غیر منصفانہ تبصرہ تھا۔جو آسی صاحب کے اس اصلاحی قدم کو پسند نہیں کرتے تھے۔حالانکہ موصوف نے جب یہ تحریر لکھی تو تائید و توثیق کے لیے انہوں نے یہ تحریر وادی کے ایک نامور مفتی حضرت مولانا و مفتی عبدالرحیم الحسنی مہتمم دارالعلوم المصطفوی کے سامنے پڑھی انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس کی تائید و تصویب کی بلکہ موصوف سے یہ کہا کہ اس میں مزید ایک نکتے کا اضافہ کریں۔موصوف نے کہا چونکہ میرے ذہن میں یہی نو (۹) نکات آئے اور دسواں آپ کا ہے لہٰذا اپنے قلم سے اپنے نکتے کو قلمبند کریں۔لہٰذا انہوں نے احقر کے سامنے وہ نکتہ موصوف کی تیار کردہ تحریر میں قلمبند کیا (جیسا کہ گذشتہ صفحات پر پوری تفصیل مذکور ہے)۔میں نے موصوف سے یہ تحریر پیش کرنے سے پہلے پوچھا تھا کہ تبلیغ میں تحریری اعتبار سے اپنی بات رکھنے کا معمول نہیں ہے آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ زمانہ ایسا ہے کہ لوگ باتوں کو بعد

میں اپنے مفادات کی خاطر توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ بہر حال مذکورہ تحریر جو اوپر اپنے اصل متن کے ساتھ نقل کی گئی ہے اور اُس وقت تقسیم بھی کی گئی تھی سے اہل علم حضرات خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امت کے ان بہی خواہوں کی ان پیدا کردہ بدگمانیوں میں کتنی صداقت تھی جو انہوں نے آسی صاحب سے متعلق نوجوان تبلیغی احباب میں پیدا کیں۔

بہر حال یہ اصلاحی کوشش اگر چہ ناکام ہوئی تاہم جن سلیم الفطرت بزرگوں نے آسی صاحب کی اس کاوش کو کافی سراہا، ان میں سرفہرست حضرت امیر احمد خان صاحب مدظلہ العالی ہیں کیونکہ یہ آراء پیش کرنے کے بعد انہوں برسر اجلاس اسی وقت ان امور کی حوصلہ افزا الفاظ میں تائید وتصویب فرمائی اور فرمایا کہ یہ بہت اچھی باتیں ہیں اور مبنی بر اخلاص ہیں، اگر چہ بعد کی صورتحال نے اس امر کو سرد خانے میں ڈال دیا۔ اس قسم کی اصلاحی کوششوں کو ہر تحریک میں امراء نے سبوتاژ کیا ہے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے کیونکہ اس سے ان امراء کی بزرگی کو خطرہ درپیش رہتا ہے۔ لہٰذا ان دنیاداروں کو نبوی مزاج پر لانا وقت کے اکابرین اور داعیوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ پروفیسر ایم مجیب اپنی شہرہ آفاق کتاب ہندوستانی مسلمان میں تبلیغی محنت کے حوالے سے اسی اندیشے کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"There are two great dangers ,however,which the movement faces .The lesser one is that the educated and well-to-do will join it and make participation in its activities into a social

fashion.The other and far greater danger is that it will restrict the conception of Islamic way of life to the recitation of Kalimah ,Prayer and Fasating and will not establish itself on such a conception of ámali salih(good works) as can stimulate people to utlize their aptitudes and vocations for the attainment of social and spritual ideals.But the movement is growing and its implications unfolding themselves.Any prediction of possible failure will be unfair and unjustified"

اگر یہ well to do لوگ قابو سے باہر ہو گئے تو تحریک یا جماعت میں حقیقت کے بجائے رسمیت آئے گی اور وہ ان امور کو ترک کریں گے جن میں مجاہدہ نفس کا زیادہ دخل ہوتا ہے مثلاً برائیوں کے خلاف بولنا یعنی نہی عن المنکر ،دور دراز دیہاتی علاقوں میں اعمال صالح زندہ کرنے کے لیے جانا ،سادگی ،قناعت وغیرہ۔اس طرح دین کا تصور محدود ہوتا چلا جائے گا۔

بہر حال تبلیغ میں یہ صورتحال پیدا ہونے کے بعد آسی صاحب اگر چہ تبلیغ سے الگ نہیں ہوئے ۔تبلیغی کام اپنے مقام پر پابندی سے اس وقت بھی کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو نصیحت کی کہ چونکہ ہمارے علاقے میں شورائی فکر کے ساتھ احباب جڑے ہوئے

ہیں لہٰذا اسی کے تحت اپنی بساط کے مطابق کام کرتے رہیں۔ تاہم تبلیغ کے دونوں طبقوں کے ساتھ موصوف کے یکسان تعلقات ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اپنے اپنے دائرے میں رہ کر دونوں ایک ہی کام کرتے ہیں۔ موصوف درون خانہ تبلیغی اختلاف کو کلامی کم اور انتظامی زیادہ سمجھتے ہیں۔ تاہم ان کی رائے ہے کہ مولانا سعد صاحب مدظلہ العالی کو اپنے اردگرد ایک ایسی مضبوط علماء کی شوریٰ بنانی چاہیے جو ان کے بیانات کو سب سے پہلے ہر زاوئے سے دیکھیں اور پھر نظر ثانی کے بعد ان بیانات کو کتابی صورت میں شائع کریں۔ کیونکہ کبھی کبھار بولنے میں آدمی سے سہو یا سبقت لسانی بھی ہوتی ہے جس کو شرعی اور اخلاقی ضابطے کے مطابق بیان میں سے حذف کرنا چاہیے۔ جمہوری اداروں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی منتخب ممبر پارلیمنٹ میں خلاف اخلاق یا آئین بات کرتا ہے تو اس کو کاروائی میں سے حذف کیا جاتا ہے۔ گذشتہ تین حضرت جیوں (تبلیغ میں عالمی ذمہ دار کو حضرت جی کے نام سے پکارتے ہیں) کے ادوار میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ اس حوالے سے ان کا موقف بھی وہی ہے جو عام علماء کا ہے کہ تبلیغی احباب بشمول مولانا سعد مدظلہ العالی کو اپنے بیانات میں احتیاط سے کام لینا چاہئے تاکہ امت میں یہ رجحان نہ پنپنے لگے کہ اشاعت دین کے لیے تبلیغ ہی واحد محنت ہے۔ اور باقی سبھی محنتوں کی یا تو کوئی اہمیت ہی نہیں یا اگر ہے بھی! تو بہت کم۔ تاہم موصوف کا ماننا ہے کہ مولانا سعد صاحب مدظلہ العالی اس اختلاف کی وجہ سے قابل ملامت نہیں بلکہ ان کے اسلاف کا ہمارے اوپر کافی احسان ہے انہوں نے اپنے آپ کو اس محنت کے لیے وقف کیا۔ اللہ تعالی نے ان لوگوں پر اس کام کو کھول دیا ہے اور یہ من جانب اللہ ہے۔ لہٰذا ان کے متعلق دل میں کسی قسم کا کینہ یا بغض نہیں رکھنا

چاہیے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ تبلیغ کے اکابریں اور با اثر علماء اس معاملے کو سلجھانے کی سعی کریں تا کہ امت میں یہ انتشار دور ہو جائے۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ دونوں طبقوں کو آپس میں ملائے اور تمام تبلیغی محنت سے جڑے احباب کو ایک ساتھ مل کر از سر نو کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

جیسے ہم نے کہا کہ آسی صاحب ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔وہ تبلیغ کے کام کے ساتھ ساتھ تدریس کو نہایت ہی ضروری سمجھتے ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے شباب ہی میں انوار العلوم کے قیام سے تدریسی عمل کے لیے انفراسٹرکچر بنانے کا آغاز کیا تھا۔بعد میں جب حاجی عبدالسبحان لون صاحب رحمہ اللہ نے شیری بارہمولہ میں برلب سرینگر اوڑی قومی شاہراہ ایک قطعۂ زمین دارالعلوم بنانے کے لیے وقف کیا اور حضرت امیر احمد خان صاحب مدظلہ العالی نے اس کی ذمہ داری موصوف کو سونپی تو انہوں نے اپنی زندگی کے تقریباً تیس سال اس مدرسے کی تعمیر و ترقی کے لیے وقف کیے۔اس مدرسے کا نام ''**المدرسة الاسلامیه العربیه دار العلوم شیری**''رکھا گیا۔اور چونکہ موصوف ہمیشہ مل جل کر کام کرنے کو پسند فرماتے تھے لہٰذا انہوں نے اس مدرسے کے ساتھ نارواؤ سے لیکر کمان پوسٹ تک لوگوں کی ہمدردیاں وابسطہ کرنے کے لیے ایک فعال شوریٰ تشکیل دی۔اس شوریٰ کے سبھی احباب یا تو تبلیغی جماعت کے کارکن تھے یا اس جماعت کے ساتھ دلی ہمدردی رکھتے تھے۔اس طرح دارالعلوم شری کے واقف بھی تبلیغی تھے اور جنہوں نے اس کی تعمیر میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں وہ بھی تبلیغی ہی تھے۔یہ کشمیر کا واحد ادارہ تھا جو تبلیغی جماعت کے نظم اور سرپرستی میں چلتا تھا۔موصوف اس مدرسے کے

صدر تھے اور حضرت امیر احمد خان صاحب مدظلہ العالی اس مدرسے کے سرپرست اعلیٰ۔ چونکہ موصوف جدید وقدیم کے امتزاج سے واقف ہیں لہٰذا انہوں نے اس مدرسے میں ایک عصری اسکول بھی کھول دیا جس کی رجسٹریشن انہوں نے دائریکٹوریٹ آف اسکول ایجوکیشن سے کروائی۔ یہ اسکول اس وقت بھی مدرسے کا حصہ ہے۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری اسکول قائم کرنے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ مالدار لوگ اکثر اپنے بچوں کو عصری اسکولوں میں ڈالتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے برسر روزگار ہو جائیں۔ لہٰذا موصوف نے یہ مدرسہ قائم کر کے یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی کہ ہم عصری تعلیم کے مخالف نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں میں دینی امتزاج اور رنگ بھی ہو۔ علامہ اقبال کا یہ شعر موصوف کے موقف کی خوب ترجمانی کرتا ہے ؎

گوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گر فرنگیانہ

تاہم اس مدرسے کی اس عصری وِنگ کی طرف بعد کے منتظمین نے خاظر خواہ توجہ نہیں دی۔ اور یہ عصری شعبہ ہنوز ایک مڈل اسکول ہی ہے۔ موصوف چاہتے تھے کہ یہ مدرسہ کالج کی سطح تک پہنچ جائے تا کہ اس کے فارغین قدیم صالح اور جدید نافع سے مالا مال ہو کر اپنی خدمات کے ذریعے سے ایک معیاری سماج تشکیل دینے میں اپنا نمایاں رول ادا کرتے۔ بہر حال یہ خواب ابھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوا۔ یہ قرض ابھی مدرسہ کے منتظمین پر باقی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ مدرسہ دن دوگنی ترقی کرے اور ایک ایسی علمی آماجگاہ بن کر ابھرے کہ ہر خاص وعام کا مرجع بن جائے۔

چونکہ مدرسے کو موصوف عصری لائن سے کالج اور نظامی لائن سے تخصص تک پہنچانے کے خواب دیکھ رہا تھا لہٰذا وہ مدرسے میں اس اعتبار سے انفراسٹرکچر اور تعلیم و تربیت دونوں میں معیاری ترقی کا خواستگار تھا۔اس سلسلے میں انہوں نے کمیوں کوتاہیوں کو دور کرنے کے لیے چند اصلاحات کے لیے اقدامات اٹھانا شروع کیے اور مدرسے کے ملازمین کو پابند کرنے کی کوشش کی۔تاہم چند احباب نے موصوف کی تمام کوششوں پر یہ کہہ کر اس طرح پانی پھیر دیا کہ وہ اپنے کارکنوں سے سختی کرتے ہیں۔لہٰذا علاقے کے چند احباب موصوف کی مخالفت کرنے لگے۔تاہم جب موصوف کو اندازہ ہوا کہ جو نقشہ ان کے ذہن میں ہے اور جن اصلاحات کی سفارشیں انہوں نے پیش کیں ان کو عملانے کے بجائے ان کی ذات ہی کو ہدف بنایا جارہا ہے تو انہوں نے فیصلہ لیا کہ برائے نام صدر بنے رہنے سے صدارت سے مستعفی ہونا ہی بہتر ہے۔یہاں مجھے علامہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ کا یہ قول یاد آرہا ہے کہ جب دار العلوم دیوبند میں انتظامی لائن کا اختلاف چل رہا تھا تو علامہؒ نے اس میں مداخلت کرتے ہوئے اپنی مخلصانہ رائے پیش کی تو ان کی مخالفت کی گئی اور اسی بنا پر علامہ کو دیوبند سے ڈھابیل نقل مکانی کرنے پڑی۔اور علامہؒ کے اس ہجرت والے بڑے معاملے کو یہ کہہ کر ہلکا بنایا گیا کہ ''علامہ کو دیوبند کی ضرورت ہے نہ کہ دیوبند کو علامہ کی''۔علامہ نے اسی ہجرت سے متعلق اس طرح اپنے شکوہ کو علمی انداز میں بیان کیا ''اس زمانہ میں کلمہ حق کہنا بہت مشکل ہوگیا ہے ہم نے صرف ایک کلمہ حق کہا تھا تو اس کی وجہ سے آج آٹھ سو میل دور پھینک دیے گئے'' (بحوالہ اردو شرح انوار الباری صحیح البخاری)۔ایسا ہی کچھ آسیؔ صاحب کے ساتھ ہوا کہ جب آسیؔ صاحب کو یہاں کام کرنے

نہیں دیا گیا تو انہوں نے کام کرنے کے دوسرے مواقع اپنی خداداد ذہانت کو بروئے کار لا کر ڈھونڈنے شروع کیے۔

چونکہ ان کو اس چیز کا احساس بہت پہلے ہوا تھا کہ یہاں مجھے ان لوگوں کے ساتھ واسطہ ہے جو علمی اور حرکی مزاج کے افراد نہیں ہیں لہٰذا انہیں کسی بھی وقت علامہ انور شاہ صاحبؒ کی طرح مہجور ہونا پڑے گا اس لیے ممکنہ ہجرت یعنی Shift سے پہلے کوئی ایسا کام شروع کر کے رکھنا ہوگا جس کو وہ ممکنہ صورت حال پیدا ہوتے وقت اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے۔

لہٰذا ان کو اپنی خداداد ذہانت کی بنیاد پر یہ بات سوجھی کہ اگر کبھی اس صورتحال کا سامنا ہوا تو ان کا دعوتی اور علمی سفر کسی بھی طرح متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا انکو ایک ماہنامہ نکالنا چاہیے جس میں وہ صحیح فکر کی ترجمانی قلمی انداز میں کرتے رہیں گے۔ اور اسلاف نے کشمیر میں جو دینی خدمات اور مہمات انجام دی ہیں ان کو صحیح تناظر میں اپنی آنے والی نسل تک پہنچائیں گے۔ چونکہ موصوف جس کام کی ٹھان لیتے ہیں وہ کر کے ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے سب سے پہلے ایک رسالہ ''راہ حق'' کے نام سے نکالا۔ اور اس میں انہوں نے ایک اہم چیز کی طرف کشمیر کے اہل علم حضرات کی توجہ مبذول کروائی کہ یہاں کے نوجوانوں میں ایک سوچ پنپ رہی ہے کہ ائمہ فقہاء اور ائمہ محدثین میں قابل تقلید محدثین ہی ہیں اور فقہاء کو چونکہ حدیث کا یا تو علم ہی نہیں تھا یا بہت کم تھا لہٰذا ان کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ اس رسالے میں انہوں نے یہ ثابت کر کے دیا کہ فقہاء ہرگز حدیث سے ناوقف نہیں ہوتے ہیں بلکہ فقہاء نے جن مسائل کو بیان کیا ہے وہ سب

قرآن، حدیث، آثار، تعامل صحابہؓ، اجماع اور قیاس کی بنیاد بیان کیے ہیں۔ تمام فقہاء حدیث کے بڑے بڑے ائمہ کے یا تو استاد رہے ہیں یا استادوں کے استاد۔ فن اسماء الرجال کے ماہرین اس چیز سے بخوبی واقف ہیں۔ بہرحال اس رسالے نے علماء حق کی ظن اس پنپتی سوچ کی طرف مبذول کرائی اور اس فتنے سے متعلق کما حقہ علماء حق نے سنجیدہ نوٹس لیا اور اس طرح اس منفی سوچ پر لگام کس لی گئی۔

اس کے بعد موصوف نے اس رسالے کی رجسٹریشن کا بھیڑا اٹھایا۔ اور ۲۰۱۲ء میں اس رسالے کا RNI نمبر موصول ہوا۔ تب سے اب تک یہ رسالہ بفضلہٖ تعالیٰ پابندی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اگرچہ کووِڈ 19 کی وجہ سے اس کا آف لائن نکلنا بیچ میں بند ہوا تاہم موصوف نے اس pandemic میں اس کو جاری رکھنے کے لیے راہِ نجات کی ویب سائٹ بنانے کے لیے مجھے مامور کیا۔ اور اس طرح میں نے اس ویب سائٹ کو بنا کر ''راہ نجات'' میگزین کو آن لائن کر دیا۔ اس وقت تک چار لاکھ سے زائد علم دوست احباب نے اس سے استفادہ کیا۔ اور ہنوز یہ سلسلہ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے جاری ہے۔ مذکورہ رسالہ کس جذبے کے تحت نکالا گیا اور اس کا بنیادی مقصد کیا ہے اس کا اعلان رسالے کے سرورق پر آسی صاحب اس طرح کرتے ہیں:

''راہ نجات ایک خالص تحقیقی رسالہ ہے۔ متدین اہل علم حضرات کے تحقیقی مقالوں اور رشحات قلم کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنا ہمارا بنیادی مقصد ہے۔ قدیم اور جدید کے صالح امتزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے امت مسلمہ کو اس پرآشوب دور میں صحیح حقائق سے باخبر رکھنا ہم وقت کی اہم اور اشد ضرورت سمجھتے ہیں لیکن! اس کے لیے جدید متدین دانشور طبقہ

اور علوم اسلامیہ کے حاملین و وارثین علوم نبوت کو شانہ بشانہ ہو کر کام کرنا ہوگا۔ ادارہ راہِ نجات اس کارِ عظیم کے لیے ایک پلیٹ فارم کی حیثیت سے کام کرنے کا عزم لیے ہوئے صحافتی دنیا میں کود پڑا ہے۔ خدا کرے ادارہ کا یہ دیرینہ خواب پورا ہو جائے۔''

چونکہ آپ کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے لہٰذا انہوں نے یہ کام بھی حضرتنا امیر احمد خان صاحب مدظلہ العالی (امیر دعوت و تبلیغ جموں و کشمیر) سے پوچھ کر کیا۔ چونکہ یہ ایک نجی کام تھا لہٰذا اس میں تبلیغی جماعت کے عام کارکنوں کے ساتھ مشورہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ تبلیغی جماعت قلم سے زیادہ قدم پر بھروسہ کرتی ہے لہٰذا اس کے اکثر کارکنوں کا ذہن بھی یہی ہے۔ اسی ذہن کے بہت سارے ساتھیوں نے آسیؔ صاحب کے اس اقدام کی مخالفت کرنا شروع کی۔ آسیؔ صاحب نے ان ساتھیوں کے اس رجحان کی شکایت حضرتنا امیر احمد خان صاحب سے کی۔ اس شکایت کو سننے کے بعد حضرتنا امیر صاحب نے حوصلہ دیتے ہوئے آسیؔ صاحب سے فرمایا کہ ''اپنی کرتی رہو اور لوگوں کی سنتی رہو''۔ امیرؔ صاحب کے اس ملفوظ کو سامنے رکھتے ہوئے آسیؔ صاحب نے پھر اس مخالفانہ رجحان کی چنداں پرواہ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر صاحب مدظلہ العالی کا سایہ ہمارے اوپر تادیر قائم رکھے۔ آمین

چونکہ ''راہ نجات'' موصوف کی ایک ذاتی کوشش تھی اور اس کے اخراجات موصوف اپنی ذات کے اعتبار سے برداشت کر رہے تھے تا ایں دم کرتے رہے ہیں لہٰذا انہیں یہ ضرورت محسوس ہوئی کی ایک ایسا پلیٹ فارم ہونا چاہیے جس میں وادی کے تمام علماء اور دانشور ایک ساتھ مل کر کام کریں۔ دانشوروں کے پاس چونکہ جدید نافع ہے اور علماء کے

پاس قدیم صالح اس لیے دونوں کو یکجا کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ''مجلس علمی جموں وکشمیر'' کی بنیاد ڈالی۔

اس مجلس کا ابتدائی مشورہ موصوف ہی کے گھر پر ہوا۔اس ابتدائی مشورہ میں موصوف کے علاوہ ڈاکٹر شکیل احمد شفائی اور ڈاکٹر نذیر احمد زرگر اور احقر (یعنی سالکؔ بلال) شامل تھے۔بعد میں اس کا باقاعدہ تاسیسی مشورہ مولانا غلام محمد پرے صاحب مدظلہ العالی کے دولت خانہ بمقام سرینگر لاوے پورہ منعقد ہوا جس میں وادی کے اطراف و اکناف سے علماء اور دانشور حضرات کو مدعو کیا گیا تھا۔اس مشورے میں احباب نے ممبر شپ فارم بھی بھر دیے۔اس طرح اس مجلس کی باقاعدہ داغ بیل ریاستی سطح پر ہوئی۔اس وقت اس مجلس کے ساتھ صرف وادی کے علماء ودانشور حضرات ہی نہیں ہیں بلکہ وادی سے باہر کے علماء ودانشور حضرات بھی جڑے ہوئے ہیں۔اس مجلس کے ذریعے اب تک کئی سمینار ہوئے جس میں ایک تاریخی سمینار سراج العلوم سرینگر میں ہوا۔اس سمینار میں تقریبا ڈیڑھ سو سے زائد علماء ودانشور حضرات نے شرکت کی۔جس میں داعی توحید حضرت مولانا عبدالولی شاہ صاحب خلیفہ ومجاز حضرت تھانوی صاحبؒ کی حیات،خدمات اور تعلیمات پر سیر حاصل مقالے پڑھے گئے۔اور آسیؔ صاحب کی کتاب ''داعی توحید'' کی بھی رسم رونمائی کی گئی۔اس کے بعد ایک سمینار لون شاپنگ کمپلکس بارہمولہ پر کیا گیا اس میں تقریبا دوسو احباب نے شرکت کی۔علماء اور دانشوروں نے اپنے مقالے پیش کیے۔اس کے بعد اور دو سمینار ہوئے جو بالترتیب جامع مسجد شیری میں ہوئے۔ان بڑے سمیناروں کے علاوہ بیچ بیچ میں مجلس علمی کی قائم کردہ لائبریری میں بھی علمی مجالس کا انعقاد ہوتا رہا جس

میں مؤقر علماء اور متدین دانشور اور اسکالروں کو بلایا جاتا ہے جو مختلف موضوعات پر اظہار خیال کرتے رہتے ہیں اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ مجلس قدیم صالح اور جدید نافع کے ایک سنگم کے طور وادی کشمیر کے طول وعرض میں نمودار ہو رہی ہے۔

اس مجلس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء علمی ڈسکورس جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے اور اپنے اپنے مکتب میں رہتے ہوئے علمی ڈسکورس کو قائم رکھنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر علماء اور دانشور حضرات اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ چلیں گے تو نازل درجے کے لوگ یقیناً ایک دوسرے کے ساتھ الجھنا چھوڑ دیں گے۔ اللہ کرے ایسی علمی فضا قائم ہو جائے اور اس طرح امت میں اتحاد کی کوئی صورت پیدا ہو۔

موصوف اس مجلس کے لیے مستقل انفراسٹرکچر کا خواہان ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس مجلس کے تحت دو ادارے قائم ہوں ایک دار المبلغین جس کی خواہش موصوف کے دادا پیر حضرت تھانویؒ نے اپنے زمانے میں کی تھی۔ جس کا مقصد یہ ہوگا کہ مدرسوں سے فارغ ہونے والے علماء اور یونیورسٹیوں کے فارغین جو دینی ذوق وشوق رکھتے ہیں ان کو وہاں ایک مخصوص وقت کے لیے بلایا جائے تا کہ تجربہ کار علماء اور اسکالران کو دین کی دعوت کے حوالے سے تربیت کریں۔ اس طرح جو مبلغین کی کھیپ تیار ہوگی وہ منبر ومحراب پر دین کی صحیح بات کرنے کے اہل ہوں اور کسی قسم کا فتنہ وغیرہ اپنے شعلہ بیانی سے برپا نہ کریں جیسا کہ آج مشاہدے میں آرہا ہے۔ یہ ایک تربیتی کالج ہوگا جس میں ہر فن کے علماء اور دانشور اپنے اپنے فن سے متعلق مبلغین کو بنیادی انفارمیشن دینے کا فریضہ ادا کریں

گے۔اس کے ساتھ ساتھ ہر مبلغ کو کسی خاص شعبے میں تیار کیا جائے گا جس کے ساتھ وہ بعد میں انصاف بھی کر پائے گا۔

دوسرا ادارہ جس کا منصوبہ آسی صاحب کے ذہن میں ہے خالص مستورات کے لیے ہوگا۔جو عورتوں کی تربیت کے لیے خاص ہوگا۔جس میں قابل متدین عورتوں کے ذریعے سے عورتوں کی تربیت کی جائے گی۔اس کے ساتھ ساتھ اس ادارے میں عورتوں کو skills بھی سکھائے جائیں گے تاکہ وہ بعد میں بہترین گھریلو عورتیں بن کر اپنی فیملی کو سنبھال سکیں۔خدا کرے موصوف کا یہ مذکورہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو۔

موصوف نے اس مجلس کی نگرانی میں ایک ضخیم لائبریری کو قائم کیا جس میں ہر مکتب فکر کی کتابیں موجود رکھی گئی ہیں۔کتابوں کے علاوہ اس میں کمپیوٹر اور فوٹو اسٹیٹ مشین اور دوسری ضروری چیزیں بھی دستیاب رکھی گئیں ہیں تاکہ جب کوئی ریسرچ کرنے والا یہاں مطالعہ کے لیے آئے تو وہ کسی چیز کے لیے پریشان نہ ہو۔اس وقت بہت سارے طلباء وہاں مخصوص اوقات میں مطالعہ کے لیے آتے ہیں۔اس مجلس کے اغراض و مقاصد کو آسی صاحب نے راہ نجات کے ایک مستقل رسالے میں جو سال ۲۰۱۷ء و ۲۰۱۸ کا خصوصی شمارہ ہے میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔قارئین اُس میں ان مقاصد کا بالاستعیاب مطالعہ فرما سکتے ہیں ۔اللہ اس میں مزید ترقی فرمائے۔

چونکہ آسی صاحب کا مزاج علمی اور دعوتی رہا ہے لہٰذا اسی مزاج کا یہ نتیجہ نکلا کہ انہوں نے قدم کے ساتھ ساتھ قلم کا سفر بھی جاری رکھا اور اس طرح ایک بہترین لٹریچر تیار کیا۔ادارہ راہ نجات اور مجلس علمی جموں و کشمیر اب آہستہ آہستہ ان کے قلمی رشحات کو کتابی

صورت میں محفوظ کرنے کی کوشش کررہے ہیں ۔ ابھی تک جو کتابیں اور تحقیقی مقالے موصوف نے لکھے ہیں ان کی تفصیل کچھ اسطرح ہے:

۱ملفوظات مولانا عبدالولی شاہ صاحب خلیفہ ومجاز حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ

۲راہ حق

۳عقائد الاسلام (اس کا عربی اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے عربی ترجمہ اب اللہ کے فضل وکرم سے مجلس علمی جموں وکشمیر نے شائع کیا ہے ۔علماء نے اس کے ترجمے کو کافی سراہا)

۴مقصد تخلیق کائنات

۵مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت اور کشمیر (اول)

۶پیر رومیؒ

۷مرید ہندیؒ

۸سید الشہداء حضرت حمزہؓ

۹تقلید واجتہاد

۱۰تاریخ مذاہب اور عصری تحریکات

۱۱داعی توحید (مولوی عبدالولی شاہؒ کی حیات، خدمات اور تعلیمات)

۱۲ردقادیانیت

۱۳حکیم الامت (حضرت اشرف علی تھانویؒ کی حیات خدمات اور تعلیمات)

۱۴۔امام العصر (علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی حیات، خدمات اور تعلیمات)

۱۵۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری طریقہ نماز

۱۶۔علمدار کشمیر (شیخ نورالدین نورانیؒ کی حیات، خدمات اور تعلیمات)

۱۷۔جامع تصور دین

۱۸۔آئینہ کشمیر (یہ کشمیر کی مذہبی تاریخ ہے جس کو دس ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے)

۱۹۔حضرت شیخ حمزہ مخدومؒ

۲۰۔مجموعہ کلام آسیؔ (اول)

۲۱۔مجموعہ کلام آسی دوم (دوم) ابھی شائع کرنا باقی ہے

۲۲۔مجلس علمی اغراض ومقاصد

۲۳۔مقصد تخلیق انسان (ابھی شائع کرنا باقی ہے)

۲۴۔کشمیر کی سیاسی اور اسلامی تاریخ (تقریباً ایک ہزار اوراق پر مشتمل مفصل تاریخ شائع ہونا ابھی باقی ہے)

۲۵۔دروس مثنوی راہ نجات کے ماہناموں میں مستقل کالم میں چھپ رہے تھے ابھی کتابی شکل دینا باقی ہے۔

۲۶۔مولانا الیاس کی دینی دعوت اور کشمیر (تبلیغی شخصیات) (دوم) اس میں تمام ان شخصیتوں کے مختصر خاکے لکھے گئے ہیں جنہوں نے تبلیغی محنت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

۲۷۔صحبتے با اہل علم (اس میں موصوف نے ان تما علماء کا ذکر کیا ہے جن کی صحبت میں کم یا زیادہ موصوف رہے ہیں)

۲۸؎ وحدت الوجود

۲۹؎ ''نورنامہ پر جو تبصرہ'' مرغوبؔ بانہالی نے جو نورنامہ کا ترجمہ کیا ہے اس سیر حاصل تبصرہ۔ اس تبصرے پر کلچرل ایکڈمی جموں وکشمیر نے موصوف کو انعام سے بھی نوازا تھا۔

مندرجہ بالا تمام عناوین سے قارئین اب خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ موصوف کو کن موضوعات سے دلچسپی ہے۔ موصوف کے لکھنے کا اسلوب نہایت ہی سہل اور عام فہم ہے۔ عبارت صاف اور شستہ ہونے کے ساتھ ساتھ موثر بھی ہے۔

آسیؔ صاحب کو جن علماء اور شیوخ نے متاثر کیا ہے ان میں مولوی عبدالولی شاہ صاحبؒ کا نام سرفہرست ہیں۔ یہی وہ شخصیت ہے جن کے تحرک اور تعلم نے موصوف کی ذات کو نکھارنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ مولاناؒ موصوف کے مرشد رہے ہیں چونکہ مولانا عبدالولیؒ صاحب اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ ومجاز تھے اسطرح تھانوی صاحبؒ موصوف کے دادا پیر تھے۔ اپنے دادا پیر کی علمی نسبت مولانا عبدالولی صاحبؒ کی وساطت سے موصوف میں منتقل ہوئی اور انہوں نے اپنے البیلے انداز میں اہم اور ضروری عناوین پر اپنے قلم کو جنبش دے کر ایک اچھا خاصا علمی ذخیرہ آنے والی نسل کے لیے چھوڑ دیا۔ مولانا عبد الولی شاہ صاحبؒ کے بعد جن شیوخ سے آپ بیعت ہوئے ان میں منشی اللہ دتاؒ۔ منشی صاحب حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ ومجاز تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے پیر شمس الدین لولابیؒ سے بیعت کی۔ پیر صاحب منشی اللہ دتا صاحبؒ کے خلیفہ ومجاز تھے۔ اس کے علاوہ تبلیغی نسبت کو اپنے اندر منتقل کرنے کے لیے حضرت جی سوم مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے بھی بیعت ہوئے۔

۲۰۲۳ء میں آپ کو اسٹروک ہوا جس کی وجہ سے چند مہینے آپ علمی و دعوتی کام جاری نہ رکھ سکے۔ تاہم جونہی وہ روبہ صحت ہوتے گئے اور انہوں نے اپنا قلمی سفر پھر سے شروع کیا۔ اس بیماری کی حالت میں انہوں نے ان تبلیغی احباب پر لکھنا شروع کیا جو ان کے ساتھی رہے ہیں کچھ تو ابھی حیات ہیں اور زیادہ تر احباب اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔ تبلیغی ذمہ داروں کے یہ مختصر نوٹس ان کے مشاہدات پر مبنی ہیں۔ اس طرح ان بیماری کے ایام میں مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت اور کشمیر (جلد دوم) جو تبلیغی شخصیات کے عنوان سے موسوم ہو چکی ہے وجود میں آئی۔ کشمیر میں تبلیغی تحریک کے حوالے سے یہ ایک انتہائی اہم اور قابل قدر کام ہے۔ جس کی اہلیان علم نے کافی سراہنا کی۔ مجلس مستقبل قریب میں اس کو شائع کرنے کا عزم رکھتی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ کام بھی مجلس کے احباب کے لیے آسان ہو جائے۔ آمین

''آسیؔ فتح گڑھی'' میری نظر میں

(از) ڈاکٹر شکیل شفائی

پوری طرح تو یاد نہیں البتہ قریب قریب دو دہائیوں کا عرصہ گزرا ہوگا جب ''مولانا'' غلام نبی وانی المتخلص بہ ''آسیؔ'' ساکنِ فتح گڑھ، شیری بارہ مولا سے پہلی بار ملاقات ہوئی۔ انہوں نے غالباً بذریعہ ٹیلی فون رابطہ کیا تھا۔ وہ جب بھی رابطہ کرتے اور ہمارے درمیان گفتگو کا سلسلہ چلتا تو وہ ایک علمی انجمن کی ضرورت کا اظہار کرتے جو خالص علمی اور ادبی بنیادوں پر نئی نسل میں کام کا بیڑا اٹھائے۔ میں جماعتوں کی تنگنائیوں اور انجمنوں کی محدود گلیوں سے واقف تھا لہٰذا مثبت جواب تو نہیں دیتا تھا تاہم ان کے جذبات واحساسات کی قدر کرتا اور ان سے کبھی معارضہ نہیں کرتا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ انہوں نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ ان دنوں میرے پاس گاڑی نہیں تھی، اندازہ یہی ہے کہ سومو وغیرہ کے ذریعے ان کے گھر تک رسائی ہوئی ہوگی، تفصیلات یاد نہیں ہیں۔ وہاں اخی فی اللہ ڈاکٹر نذیر احمد زرگر سے ملاقات ہوگئی۔ ممکن ہے ما قبل ہی مجھے ان کے آنے کی بھی اطلاع ملی ہو۔ کسی اور رفیق کی موجودگی یاد نہیں پڑتی۔ ہمارا قیام آسی صاحب کے گھر ہی میں رہا۔ ان کا گھر اس وقت بھی سادگی، نفاست، قلبی جمعیت اور علمی خوشبو کا احساس دلاتا تھا اور آج بھی یہ اسی قدیم وضع پر قائم ہے۔

آسیؔ صاحب کی شخصیت یکبارگی مجھ پر نہیں کُھلی - میں ایک طالب علم ہوں اور

اسی نقطۂ نظر سے دنیا و مافیہا کو دیکھتا ہوں۔ پہلی ملاقات میں آسی صاحب مجھے ایک متشرع بزرگ معلوم ہوئے جو بیشتر تبلیغی بزرگوں کے علی الرغم علمی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ البتہ ان کی سادگی اور خلوص نے متاثر کیا۔ مجلس کافی دیر تک چلتی رہی۔ تفصیلات مستحضر نہیں ہیں لہٰذا یہ بتانے سے معذور ہوں کہ وہاں کن کن امور پر بات ہوئی تھی۔ البتہ مجلسِ علمی کی تاسیس کے حوالے سے یہ مجلس سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا غلام محمد پرے صاحب کے دولت کدہ پر جس مجلس کا حوالہ آسی صاحب اکثر دیتے رہتے ہیں، اُس کا علم نہیں کہ وہ اِس مجلس سے پہلے منعقد ہوئی تھی یا اس کے بعد۔ میں نے مجلس علمی میں، اپنے دیگر مشاغل کی بنا پر، کبھی کوئی عملی کام انجام نہیں دیا۔ مجلس کا سارا کام آسی صاحب خود ہی انجام دیتے رہے ہیں البتہ میری دانست میں ان کی یہ خواہش رہی ہے کہ مجھ طالب علم کے علاوہ دیگر اہلِ علم وادب، مجلسِ علمی کے مقصد سے اِتفاق کرنے کی حد تک، ان سے جڑے رہیں۔ تبلیغی جماعت سے وابستہ لوگ عام طور پر تنظیمی، علمی اور ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی نہیں رکھتے ان میں حصہ لینا تو بہت دور رہا، البتہ اس گُلیے میں جو استثنائات پائے گئے ہیں ان میں آسی صاحب بھی ایک ہیں۔ وہ دُھن کے پکّے ہیں، ان کے مزاج میں ٹھہراؤ پایا جاتا ہے، ان میں صبر و مصابرت کا جوہر بھی ملتا ہے۔ وہ ناامید نہیں ہوتے۔ انہوں نے دھیمی رفتار سے کام جاری رکھا، علماء سے رابطہ بنائے رکھا، اہلِ علم وادب کو اپنے قریب کرنے کی کوشش کرتے رہے، بالآخر ان کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ جو بیج انہوں نے بویا وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ مجلس علمی نے پچھلی دو دہائیوں میں کون سے کام انجام دیے ہیں وہ تحریری صورت میں شائع ہو چکا ہے اس پر بات کرنا تحصیلِ حاصل ہے،

مجھے یہاں آسی صاحب کی شخصیت کے ان چند پہلوؤں پر، اپنے نقطۂ نظر سے بات کرنی ہے، جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے۔

آسی صاحب ایک پڑھے لکھے انسان ہیں۔ انہوں نے بی اے، بی ایڈ کرنے کے علاوہ فارسی اور عربی میں ماسٹرز کیا ہے۔ وہ پیشے سے استاد رہے ہیں۔ شاعری کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ ان کا ایک شعری مجموعہ " کلامِ آسی" کے عنوان سے ابھی چند سال پہلے شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی چند ایک کتابیں بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں جن میں "مقصدِ تخلیقِ کائنات" اور "عقائد الاسلام" کی ورق گردانی کا مجھے شرف حاصل ہو چکا ہے البتہ علمی دنیا میں ان کا بڑا کام ماہنامہ "راہِ نجات" کی شکل میں سامنے آیا۔ یہ ماہنامہ غالباً 2012 کے آس پاس منظر عام پر آیا۔ اس کے متعدد نمبر مختلف شخصیات پر شائع ہوئے ہیں۔ جن میں کشمیر کے علماء وصوفیاء کی بھی ایک معتد بہ تعداد شامل ہے۔ دیگر موضوعات کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آسی صاحب زود قلم مصنف رہے ہیں، وہ خوب لکھتے ہیں۔ اپنی عمر کی ثلث صدی سے تجاوز کرنے کے باوجود ان کی نگارشات کا دریا تھما نہیں ہے البتہ سال ڈیڑھ سال پہلے ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا اس وجہ سے ممکن ہے لکھنے کی رفتار کچھ کم ہوگئی ہو۔ بہر حال اگر ان کی جملہ نگارشات کو جمع کیا جائے تو کئی مجلدات تشکیل پا سکتے ہیں۔ آسی صاحب کا مطالعہ بھی کافی وسیع ہے۔ وہ کتاب کا سرسری مطالعہ نہیں کرتے بلکہ ایک ایک سطر کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر کشید کردہ مفہوم پر مسلسل غور وخوض کرتے رہتے ہیں یوں ان کا ایک نقطہ نظر تشکیل پاتا ہے۔ اس سلسلے میں کبھی اپنے دوستوں اور دیگر اہلِ علم حضرات سے گفتگو بھی کرتے ہیں، ان کے سامنے اپنا نقطۂ نظر رکھتے

ہیں۔خندہ پیشانی سے ان کی سنتے ہیں۔کبھی کبھار کتاب کھول کر لمبے لمبے فقرے پڑھتے ہیں، پھر ان پر گفتگو کرتے ہیں۔ وہ علم کی روح سے واقف ہیں اس لیے اختلاف سے گھبراتے نہیں۔میں نے بارہا ان سے اختلاف کیا ہے لیکن انہوں نے کبھی اس کا منفی اثر نہیں لیا، بلکہ بعض اوقات میری رائے کی تائید کی اور اپنی رائے چھوڑ دی۔انہوں نے برصغیر کی اسلامی تحریکات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔وہ اوائل عمر میں جماعت اسلامی سے عملاً وابستہ رہے ہیں،تبلیغی جماعت تو گویا ان کا تعارف ہی تھی۔دیگر تنظیموں اور انجمنوں سے ان کے روابط رہے ہیں لہذا ان کے فکر ونظر میں وسعت پائی جاتی ہے۔ ہر چند علمائے دیوبند سے انہیں بے حد عقیدت رہی ہے لیکن میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے کسی دوسری جماعت کے کسی عالم کا نام غایت درجہ احترام سے نہ لیا ہو۔وہ مولانا وحید الدین خان صاحب مرحوم سے بھی بہت متاثر رہے ہیں اور میری دانست میں انہوں نے خان صاحب کو بہت پڑھا ہے تاہم ان کے سامنے جب بھی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا تذکرہ چھڑا تو انہوں نے ان کا ذکر اُس اسلوب میں کیا جو ان کے مولانا سے غایت عقیدت کو مستلزم تھا۔ایک بار جناب سعد الدین تارہ بلی مرحوم کا واقعہ سنایا تو آب دیدہ ہو گئے۔

آسی صاحب کو میں بہت قریب سے دیکھنے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔البتہ پچھلی دو دہائیوں میں کئی نشستوں میں ان کی مصاحبت حاصل رہی۔ذاتی طور پر بھی ملاقات کے مواقع ملے ہیں۔میں نے جس ذوق وشوق،محبت اور ولولے سے انہیں "مولانا سید شاہ عبدالولی الحسنیؒ (توحید گنج بارہ مولا)" کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے کسی دوسرے عالم

کے بارے میں یہ بات مشاہدے میں نہیں آئی۔ آسی صاحب نے ان سے استفادہ ضرور کیا ہوگا، لیکن ایک استاد سے زیادہ میں نے مولانا ولی اللہ صاحب مرحوم کو ان کا معشوق پایا۔ آسی صاحب کو مولوی صاحب مرحوم کی پوری شخصیت ہی گویا ازبر تھی۔ وہ مولوی صاحب مرحوم کی زندگی کا ایک معتبر حوالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہت کم ایسا دیکھا ہے کہ انہوں نے مولوی صاحب مرحوم کا کوئی آزمائشی واقعہ بیان کیا ہو اور وہ رو نہ دیے ہوں۔ اسی شیفتگی کا یہ زائدہ ہے کہ انہوں نے مولوی صاحبؒ پر ایک سمینار کا انعقاد کیا اور اس میں اہلِ علم سے مقالات لکھوا کر راہ نجات میں شائع کیے۔

آسی صاحب کو تاریخ سے بھی کافی دلچسپی رہی ہے۔ ان کی یاداشت، ماشائ اللہ، بہت خوب ہے۔ بے شمار علماء، اولیاء، صوفیاء اور خُدّامِ دین کا تذکرہ پہلی بار انہیں سے معلوم ہوا۔ یاد پڑتا ہے ایک دو سال قبل جب استاذی ڈاکٹر مظفر حسین ندوی (حفظہ اللہ) مجھ ناچیز اور مولانا غلام محمد پرے صاحب کی معیت میں پہلی بار آسی صاحب سے ان کے دولت کدہ پر ملاقی ہوئے اور انہوں نے آسی صاحب کی تاریخی واقعات کی کھتونی سے سلسلہ ہائے مروارید کا کچھ حصہ سماعت کیا تو عشاء یا فجر کی نماز کو نکلتے وقت عربی میں مجھ سے فرمایا: ''أين كنتَ أخفيتَ هذا الكنز؟'' (اس خزانے کو کہاں چھپا رکھا تھا؟)

آسی صاحب تقریر بھی عمدہ کرتے ہیں۔ ان کی تقریر زیادہ مربوط تو نہیں ہوتی البتہ دلچسپ ہوتی ہے۔ وہ جب بولتے ہیں تو بس بولتے ہیں۔ پھر تو ان کا دریا بہنے لگتا ہے۔

آسی صاحب طبعیتاً نرم دل ہیں۔ لیکن وہ بڑے ذہین بھی ہیں اور ان کی ذہانت ان کی آنکھوں سے ٹپکتی محسوس ہوتی ہے۔ اگر انہیں کوئی بات ناگوار گزرے تو فوراً ردعمل ظاہر نہیں

کرتے ،موقعہ دیکھ کراس کا اظہار کرتے ہیں۔

بہت سارے علماء اور تنظیمی صدور وعہدہ داراں کے علی الرغم میں نے آسی صاحب کے پورے خانوادے کواسی نہج پر پایا جس پر وہ خود گامزن ہیں۔اس چیز نے بھی مجھے کافی متاثر کیا- دو عالموں کے بارے میں، میں اپنے مشاہدے کی بنا پر، کہہ سکتا ہوں کہ ان کے گھر والوں نے بڑی حد تک ان کی علمی اور عملی قدروں کو اپنے نظام فکر وعمل میں مرکزی جگہ دی ہے ایک مولانا منظور صاحب نعمانی رح اور دوسرے مولانا ابوالحسن علی ندوی رح۔کشمیر کے تناظر میں آسی صاحب کا گھرانہ اس کی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان کے بچے اور اب بچوں کے بچے بھی شرافت، ادب اور دینداری کی عمدہ مثالیں پیش کررہے ہیں۔

آسی صاحب کو فارسی زبان کا بھی گہرا ذوق ہے۔مولانا رومؒ سے کہنا چاہیے انہیں عشق ہے -مثنوی کے اگر وہ حافظ نہیں تو حافظ نما ضرور ہیں۔خود ایک بار مجھ سے کہا کہ میں نے مثنوی کو تین بار حرف حرف پڑھا ہے۔میں نے ان کی مثنوی کا ایک نسخہ دیکھا ہے جو ان کے حواشی سے بھرا پڑا تھا۔تقریباً یہی حال دوسری کتابوں کا بھی دیکھا۔

یوں تو آسی صاحب کو تمام علماء کا احترام ہے البتہ مولانا جلال الدین رومیؒ، مولانا عبدالحق حقانیؒ،مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا انور شاہ کشمیری رحمھم اللہ سے انہیں خاص عقیدت رہی ہے اور تقریباً انہی علماء کی تعلیمات پر مجلسِ علمی کی بنیادیں اٹھی ہیں۔ آسی صاحب کے کشمیر کے مقامی علماء اور دیگر اہلِ علم حضرات سے بھی روابط ہیں۔وہ حنفی المسلک ہیں لیکن تمام مسالک کا احترام کرتے ہیں۔

انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تبلیغی جماعت میں گزارا ہے۔ وہ وادی میں تبلیغ کی قدیم ترین کھیپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ تبلیغی جماعت کی پچھلی ساٹھ ستر سالہ تاریخ کا انسانی وثیقہ ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حال ہی میں ان کے لائقِ افتخار فرزند سالک بلال نے ان سے وادی کی تبلیغی جماعت کے اکابرین کے بارے میں سُنی ہوئی تفصیلات کو قلمبند کرنا شروع کیا جو امید ہے کتابی شکل میں شائع ہوں گی۔

فتح گڑھ/شیری نارواؤ کا کیا مذکور بارہ مولا سے لے کر اوڑی تک ان کی تبلیغی، تعلیمی اور تربیتی محنتوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ شیری کی جامع مسجد میں وہ پچھلی قریباً چار دہائیوں سے خطبہِ جمعہ دیتے آرہے ہیں۔ فتح گڑھ میں مسلمان طلباء وطالبات کی دینی تعلیم کے لیے ایک ادارہ بھی کھولا ہوا ہے۔ مجلسِ علمی کے تحت ایک کتب خانے کی بھی بنیاد ڈالی جس میں ہر نوع کی تحقیقی کتابوں کی فراہمی ممکن بنانے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

بیماری سے قبل بہت متحرک تھے۔ مجھے ان کے کام کی لگن اور چستی پھرتی پر رشک آتا تھا، لیکن پھر بیمار ہوئے تو رفتارِ کار میں کچھ دھیما پن آ گیا تھا۔ لیکن اب، الحمدللہ، روبہ صحت ہونے پر پھر سے کام کی طرف عود کر رہے ہیں جو نہایت خوش آئند ہے۔

ہماری قوم میں اس وقت علمی اور عملی زوال و اِدبار کا جو عالَم ہے اور اس سے دینی مدارس کے بہت سے فارغین اور جامعات کے بہت سے اسکالرز بھی مستثنیٰ نہیں، اس کے پیشِ نظر آسی صاحب جیسی شخصیات نعمتِ یغما سے کم نہیں۔ ان لوگوں کی قدر اس وقت آئی گی جب یہ بھی نہیں رہیں گے اور جہلاء علی الاطلاق لوگوں کی گردنوں پر سوار ہوں گے۔

آسی صاحب میں بمقتضائے بشریت کمزوریاں بھی ہوں گی ۔ان کے جملہ نظریات سے اتفاق بھی ضروری نہیں۔ممکن ہے زندگی میں غلط فیصلے بھی لیے ہوں گے لیکن اس سے انبیاء کو مستثنیٰ کر کے دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی مطلقاً مبرا نہیں قرار دیا جا سکتا ۔لیکن آسی صاحب میں جو خوبیاں ہیں وہ کسی بھی شخص کو بڑا بنانے کے لیے کافی ہیں۔ان کی زندگی کے بہت سے پہلو ایسے ہو سکتے ہیں جو مجھ سے مخفی ہوں گے یا شاید دوسرے لوگ ان سے واقف ہوں گے ۔ان پر لکھنے والے لکھیں گے ۔جب تک آسی صاحب کی سرگرمیاں جاری رہیں گی ان پر اقلام بھی اپنی رشحاتِ ٹپکاتے رہیں گے۔میں ان آدھے ادھورے مشاہدات کو عربی کے درج ذیل اشعار پر ختم کرتا جو میرے خیال میں آسی صاحب پر پوری طرح صادق آتے ہیں:

إن الكرام و إن ضاقت معيشتهم

دامت فضيلتهم و الأصل غلّابُ

لِله دَرُّ أناسٍ أينما ذُكروا

تطيب سيرتُهم حتى و إن غابوا

ولرَبُ مكرمة جمعت شمائلهم

صلرت لنا غيثاً يسرى و ينساب

فى قلبِ من يلقوه تلقى محبتهم

و هم لكل الخلق صحب و أحباب

(یہ جو نیک طینت لوگ ہوتے ہیں ہر چند ان کی معاش (یا حیات) ان پر تنگ ہی ہو، بایں

ہمہ ان کی فضیلت ہمیشہ قائم رہتی ہے اور چونکہ نیکی اصل ہے لہذا اصل ہی غالب آتی ہے- اللہ خیر کا معاملہ کرے ان لوگوں سے جن کا جہاں کہیں ذکر ہو، اُن کی سیرت خوشبو بکھیرتی ہے چاہے وہ آپ موجود نہ ہوں- اور صاحبِ مکرمت کے اوصاف مجتمع ہوتے رہتے ہیں یہاں تک وہ بادل بنتے ہیں جن سے اوپر سے نیچے کی طرف موسلا دھار بارش برستی ہے- وہ جن سے بھی ملتے ہیں ان کے دلوں میں ان کی محبت ڈالی جاتی ہے اور وہ تمام لوگوں کے ساتھی اور دوست ہوتے ہیں)

منقبتِ صحابہؓ

(آسی غلام نبی)

مہربان تھے باہم سب ہی بن کے بھائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
ادا ان کی ہر اک پسند حق کو آئی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
رقم کیسے کرلوں میں ان کی حکایت
نہیں پا رہا ہوں زبان میں وہ قوت
مہربان تھی ان پر خدا کی خدائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
نبی نے پیامِ خدا جب سنایا
تو ان عاشقوں نے گلے سے لگایا
یہ توحید ان کو بہت راس آئی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
وہ رومی وحبشی مسلمان ہوئے جو
کیا امتحان کے لئے پیش خود کو

کبھی بھی شکایت زبان پر نہ لائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
وہ طائف کا قصہ جو یاد آ رہا ہے
زخم دل کا فوراً ہرا ہو رہا ہے
جہاں زید نے ڈھال خود کو بنائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
بدر میں جو نکلے یہ اللہ کے غازی
اداؤں سے اپنے کیا رب کو راضی
غضب کی قیامت شرک پر ڈھائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
احد میں تو حمزہ نے جوہر دکھائے
جہاں تیر وحشی نے چھپ کے چلائے
مُقابل میں آنے کی ہمت نہ پائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
لو شیرِ خدا نے شہادت بھی پائی
مگر ہندہ غصے پہ قابو نہ پائی

شہیدی کے اعضاء سے مالا بنائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
شہیدِ اعظم کا جگر بھی نکالا
چبا کر زمیں پر اسے پھینک ڈالا
گلے سے نگلنے کی سکت نہ پائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
نبی کو کسی نے یہ قصہ سنایا
تو آ کر جو دیکھا وہی حال پایا
نمناک آنکھوں سے تدفین کرائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
تبوک کا ارادہ کیا جب نبی نے
تو ایثار کافی کیا ہر کسی نے
عجب ہی ادا بوبکر نے دکھائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
اثاثہ جو تھا کیا پیش سب کچھ
ذرہ بھی نہ چھوڑا بچوں کے لئے کچھ

پھٹی ٹاٹ سے اپنی صورت سجائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی
نبی نے بتایا یہ پیارے ہیں تارے
اطاعت کے قابل ہیں سارے کے سارے
عجب ہی لذت اس میں آسیؔ نے پائی
صحابہؓ تھے سارے نبیؐ کے فدائی

مکتوب بنام ''راہ نجات''

محترم مدیر (علمی میگزین) راہِ نجات (بارہمولہ)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ھے آپ بعافیت ہوں گے ۔عزیز مکرم سید عبد الماجد کرمانی اطال اللہ عمرہ نے مجھے مطلع فرمایا کہ آپ برگزیدہ علمی شخصیت جناب الحاج مولانا غلام نبی صاحب آسی مدظلہ شاگرد رشید حضرت مولانا سید ولی شاہ صاحب حسنی نارانتھلی مرحوم پر تاریخی نمبر مرتب کررھے ہیں۔ ویسے مولانائے موصوف کی گراں قدر ہستی فی زماننا محتاج تعارف نہیں ھے ،البتہ یہ نمبر آیندہ نسل کے لئے مینارہ نور ثابت ہوگا۔ انشاءاللہ

والسلام بالاحترام

خیر اندیش

(مولانا) شوکت حسین کینگ (مدظلہ العالی)

علمی جانشین حضرت امیر شریعت مفسر قرآن علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری قبلہ